32

انتظام سلسلہ کے لئے ضروری حکمتیں

(فرمودہ ۹؍ دسمبر ۱۹۲۱ء)

حضور انور نے تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔
میں آج اس سلسلہ مضامین کو جسے پچھلے خطبات میں بیان کرتا رہا ہوں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ گو اس کے اور بہت سے پہلو ہیں لیکن انسان کی یہ فطرت ہے۔ کہ ایک بات جس کو وہ متواتر سنتا رہے اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور اس فطرت انسانی کا لحاظ بندے تو الگ رہے اللہ تعالیٰ کو بھی انسان کی بناوٹ اور خلق کا لحاظ کر کے بندوں سے معاملہ کرتے وقت کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ دوزخ والے جب کچھ مدت عذاب میں رہیں گے۔ یعنی اس کے عادی ہو جائیں گے۔ تو ہم ان کی جلدوں کو بدل دیں گے۔ پس جب معمولی باتیں تو الگ رہیں انسان عذاب کا بھی عادی ہو جاتا ہے۔ اور اس کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ تو کجا یہ کہ وہ عام باتیں جن کے اندر احساسات اور جذبات کو اس قدر ابھارنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ جس قدر حد درجہ کے عذاب یا خوشی میں ہوتی ہے۔ ان کو مسلسل بہت عرصہ تک بیان کیا جائے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ کو ختم کردوں۔ اور اس کے ختم کرنے پر بعض حکمتیں جن کے ماتحت کسی جماعت اور سلسلہ کا انتظام چلایا جاتا ہے۔ اور بہت حد تک ان کی ناواقفیت کی وجہ سے لوگوں کو دھوکہ لگتا ہے۔ ان کو بیان کردوں۔

کوئی تقسیم کرنے والا اعتراضوں سے نہیں بچ سکتا

بہت حد تک دھوکہ کی وجہ تقسیم ہوتی ہے۔ خواہ تقسیم عمل ہو۔ یا تقسیم مال۔ یا تقسیم مدارج یہی باتیں اصل باعث فتنوں کا ہوتی ہے۔ بعض انسان اس بات کو سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ کہ تقسیم عمل اور تقسیم مال اور تقسیم مدارج کن حکمتوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اور اس بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے دھوکہ کھا جاتے اور سمجھتے ہیں فلاں بات میں بے انصافی کی گئی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ دنیا میں بے انصافی ہوتی ہے۔ اور لوگ دوسروں کے حق مار لیتے ہیں۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ کوئی انتہائی دیانت داری سے بھی کام لے۔ تو بھی سارے لوگ اس سے خوش ہو سکیں۔ ممکن

نہیں۔

انسان تو انسان سارے لوگ خدائی تقسیم پر بھی خوش نہیں ہوتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ایک شخص کے متعلق فرماتے تھے۔ جسے پھر تو خداتعالیٰ نے ہدایت دے دی اس نے حضرت مسیح موعود کی بیعت کرلی۔ آپ سے تعلقات بھی ہو گئے۔ اور اس کا انجام بھی اچھا ہو گیا۔ اس کے متعلق آپ فرماتے۔ کہ ابتدا میں اس سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ کہ آپ اس سے الگ ہو گئے۔ اور وہ واقعہ یہ تھا کہ اس کا ایک لڑکا فوت ہو گیا میں بھی اس کے ہاں گیا۔ اور بڑے بھائی صاحب بھی اور لوگ بھی تھے۔ وہ بڑے بھائی صاحب کو دیکھ کر ان سے لپٹ گیا اور چیخ مار کر کہنے لگا۔ مرزا صاحب خدا نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے۔ ہمارا اس سے بڑا تعلق تھا۔ لیکن یہ بات سنکر ایسی نفرت ہو گئی کہ اس جنازہ میں شامل ہونا بھی دوبھر ہو گیا۔ اور اس سے علیحدگی اختیار کرلی۔

تو بندہ تو بندہ سارے لوگ خدا پر بھی راضی نہیں ہوتے۔ پھر وہ کون انسان ہے جو کسی قسم کی تقسیم کرے اور سارے کے سارے لوگ اس سے خوش ہوں۔

پھر وہ انسان جس کے متعلق حضرت صاحب نے فرمایا ہے۔ کہ

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم   گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

کہ اے مخالفو! تم مجھے کافر کہتے ہو۔ چونکہ کفر کا فتویٰ عقیدہ پر ہی لگایا جاتا ہے اس لئے میرا عقیدہ سن لو کہ اگر میں خدا کے بعد کسی سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر یہ کفر ہے۔ تو خدا کی قسم میں بڑا کافر ہوں۔ کیونکہ یہ کفر مجھ میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ کہ میں سب سے زیادہ محبت خدا سے اور خدا کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھتا ہوں۔ اور یہ کفر میری رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں بھرا ہوا ہے۔ تو وہ انسان جس کی طرف تمام انصاف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ اور جو عدل کا منبع اور خزانہ ہے وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ مگر آپؐ کے وقت کے واقعات دیکھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک دفعہ جبکہ آپ مال تقسیم کر رہے تھے۔ تو ایک شخص نے کہا تھا کہ عدل و انصاف کو مدنظر رکھئے۔ جس پر آپؐ نے فرمایا۔ ''کیا میں عدل و انصاف مدنظر نہیں رکھتا۔ اگر میں نہیں رکھتا۔ تو اور کون مدنظر رکھے گا؟'' [۱]

تو عدل و انصاف کی تعلیم دینے والے آپؐ کے لئے بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ جن کے نزدیک آپ عدل مدنظر نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ کہنے والے نے کہا۔ انصاف مدنظر رکھیں اور خوف خدا کریں۔ گویا آپؐ خوف خدا کو دور کر کے اور جان بوجھ کر ایسا کر رہے تھے۔ غلطی سے بے انصافی نہ کر رہے تھے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر بھی اعتراض کرنے والوں نے اعتراض کر ہی

دیا۔ اور خدا تعالیٰ پر بھی کرتے ہیں۔

ممکن ہے کوئی کہے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق یہ روایت ہے۔ ممکن ہے یہ سچی ہو کہ نہ ہو۔ گو اس کی سچائی کے ثبوت ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ گذشتہ بات ہے اسے جانے دو۔ مگر آج جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خادموں میں سے ایک آپؐ کا نمونہ اور بروز کھڑا ہوا دیکھ لو ایسا ہوا یا نہیں۔ آپؑ پر اعتراض کرنے والے یہاں بھی تھے اور باہر بھی۔ جو کہتے تھے کہ جس قدر مال آتا ہے۔ اس کی حفاظت نہیں کی جاتی۔ گھر کے آرام اور بیوی کو خوش کرنے کے لئے خرچ کر دیتے ہیں۔ یہ کہنے والے اس وقت میں موجود تھے۔ اور بیسیوں ایسے گواہ اس وقت بھی ہیں جو اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔ اور خود حضرت مسیح موعود کی گواہی موجود ہے۔ الحکم میں آپ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے کہ معلوم ہوا ہے ایک شخص مال کے متعلق اعتراض کرتا ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں وہ آئندہ مجھے چندہ نہ بھیجے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق جو مثال میں نے پیش کی ہے۔ اسے پرانی روایت کہہ دو مگر اس کو نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس کے گواہ ہزاروں موجود ہیں۔ پھر لوگوں کی ہی شہادت نہیں۔ حضرت مسیح موعود کی اپنی شہادت ہے۔

ان باتوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس پر اعتراض نہ کیا گیا ہو۔ اور کوئی شخص تو الگ رہا۔ خدا کی ذات جو منبع ہے تمام خوبیوں کا اور جو پیدا کرنے والا ہے تمام صفات کا اس پر بھی انسان اعتراض کرنے سے باز نہیں رہتے۔ اور کہہ دیتے ہیں۔ اس کا معاملہ درست نہیں۔ ایسے اعتراض خدا کے منکر ہی نہیں کرتے۔ بلکہ ماننے والے بھی کر دیتے ہیں۔ جیسے کہ میں نے وہ مثال سنائی ہے جو حضرت مسیح موعود نے بیان فرمائی۔ اور نہ ماننے والے تو اندھیر ہی مچا دیتے ہیں۔

پس تم جب بھی کسی انسان کے متعلق رائے قائم کرنے لگو تو سوچ لو کہ کس طرح انسان کے متعلق رائے قائم کرنی چاہیئے۔ اور دیکھو کہ رائے قائم کرنے سے قبل کن باتوں کا دیکھنا ضروری ہے۔ اور خاص کر یہ دیکھ لو کہ رائے قائم کرتے وقت تمہاری اپنی حالت کیسی ہے۔ ایک ہی بات اگر ایک آدمی کے متعلق سنی جائے۔ تو کہہ دیتے ہیں۔ بہت بری ہے۔ ایک بات جو اپنے مذہب میں پائی جائے۔ اس سن کر سرہلاتے اور جھوم جھوم کر کہتے ہیں۔ کیا ہی خوب ہے۔ لیکن وہی بات جب دوسرے مذہب میں دیکھیں۔ تو کہہ دیتے ہیں۔ کیسی بے ہودہ اور لغو ہے۔ یہ مشاہدہ ہے اور غیروں کے متعلق ہی نہیں۔ بلکہ اپنی جماعت کے بعض لوگوں کے متعلق بھی ہے۔ جو سناتے ہیں کہ فلاں مذہب میں یہ بات جو پائی جاتی ہے۔ غلط ہے۔ حالانکہ وہی بات ان کے مذہب میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور اسے وہ درست اور صحیح سمجھتے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہوتی ہے کہ انہوں نے اس بات پر غور ہی نہیں کیا ہوتا۔ اپنی کتاب میں جب وہ بات آتی ہے تو اس کی خوبی کی وجہ سے اسے نہیں مانتے بلکہ

اس لئے مانتے ہیں۔ کہ اپنی کتاب میں آئی ہے۔ اور جب دوسرے مذہب میں دیکھتے ہیں تو اس کی برائی کی وجہ سے اس کی مذمت نہیں کرتے۔ بلکہ اس لئے مذمت کرتے ہیں۔ کہ غیر کی کتاب میں درج ہے۔ تو رائے احساسات اور جذبات کے ماتحت عام طور پر نہیں بلکہ اکثر اوقات ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی بات تعلق رکھتی ہو۔ اگر اس سے کبھی رنج پہنچا ہو۔ تو وہ بات بری نظر آتی ہے۔ اور اگر نفع پہنچا ہو۔ تو بری بات بھی اچھی دکھائی دیتی ہے۔ تو کبھی رائے لگانے اور قائم کرنے والے کی اپنی حالت رائے کو بدل دیتی ہے۔

اور کبھی ایسا شخص جس کے متعلق رائے قائم کی جاتی ہو اس کی حالت رائے کو بدل دیتی ہے۔ ہمیں اس سے نہ عداوت ہوتی ہے نہ محبت۔ مگر جو کام اس نے کیا ہوتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے صحیح حالات کا علم نہیں ہوتا۔ اور اس وجہ سے اس پر حملہ کر دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں رائے زنی کرنے والے کی نیت تو اچھی ہوتی ہے۔ لیکن جو حالات اس کے سامنے آتے ہیں۔ وہ صحیح نہیں ہوتے بلکہ غلط ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کی رائے بھی غلط ہوتی ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کے متعلق رائے زنی کی جاتی ہے اس سے نہ رنج پہنچا ہوتا ہے نہ فائدہ اور نہ واقعات اور حالات غلط طور پر پہنچے ہوتے ہیں۔ بلکہ رائے زنی کرنے والے کی اپنی غلطی ہوتی ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے بدنیتی سے نہیں کہتا بلکہ غلط کہتا ہے۔

پس یہ تین باتیں ہیں۔ (۱) یہ کہ کبھی ہمارے اندر جذبات اور احساسات کے ماتحت ایسی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ کہ غلط رائے قائم کر لیتے ہیں اور (۲) کبھی واقعات غلط طور پر سامنے آتے ہیں۔ اس لئے غلط رائے قائم کی جاتی ہے اور (۳) کبھی صحیح واقعات سامنے آتے ہیں۔ اور ہم نیک نیتی سے جذبات سے علیحدہ ہو کر رائے لگاتے ہیں۔ لیکن ہماری رائے غلط ہوتی ہے۔

رائے لگانے کے متعلق یہ تین باتیں ضرور مد نظر رکھنی چاہئیں۔ اور ہر شخص کو خواہ ہندو ہو یا سکھ یا مسلمان ہو یا عیسائی ماننا پڑے گا۔ کہ ان تینوں باتوں کی وجہ سے رائے لگانے میں غلطی واقع ہوتی ہے۔

یہ تو رائے لگانے کے متعلق باتیں ہیں۔ اب میں واقعات کے متعلق کچھ بتاتا ہوں۔ جن میں رائے قائم کی جاتی ہے۔

ایک بات جو واقعات کے متعلق نہایت ہی ضروری ہے یہ ہے کہ انسان جو ہے خواہ وہ کتنا بڑا اور کتنے اعلیٰ درجہ کا ہو جائے بشریت اس کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ رسولوں کے ساتھ بھی رہتی ہے۔ اندازے اور رائے کی غلطیاں ان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہ کتنی باتوں کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں۔ مگر پھر خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں بشریت کہ وجہ سے غلطی ہو گئی۔ انبیاء شریعت اور

خدا کے احکام توڑنے کے متعلق بالکل معصوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ احکام جو ان کی عقل پر چھوڑے جاتے ہیں۔ ان میں غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ چاہے وہ دوسروں کے مقابلہ میں کتنے ہی دانا ہوں لیکن پھر عقل عقل ہی ہے۔ اور غلطی کر بیٹھتی ہے۔ تو شرعی امور کو چھوڑ کر دوسرے امور میں ان سے بھی غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔ ایک رائے قائم کرتے ہیں۔ مگر پھر کہتے ہیں ایسا نہیں ہے۔

پس جب انبیاء سے بھی غلطی سرزد ہوجاتی ہے تو پھر یہ کہنا کہ انسانوں کو ضرور صحیح فیصلہ کرنا چاہیئے ورنہ وہ بددیانت ہونگے۔ ایک بڑی زبردستی ہے۔ بہت لوگ اس لئے جھگڑا پیدا کرلیتے ہیں کہ ان کے نزدیک ہر رائے کی غلطی بددیانتی ہوتی ہے۔ لیکن اگر رائے کی غلطی بددیانتی ہوتی ہے تو وہ نبیوں سے بھی ہوئی۔ اور جب نبی کرسکتے ہیں۔ تو اور کون ہے۔ جو اس سے بچ سکے دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جنگی سپاہی جرنیل۔ کرنل اور کمانڈر جو لڑائی میں عمریں گذار دیتے ہیں۔ مگر بیسیوں موقعوں پر ان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ جسے وہ خود بھی غلطی تسلیم کرتے ہیں۔ اوردسرے بھی تو جب وہ لوگ جو دنیا کے کاموں میں سے ایک خاص کام چن کر اپنی زندگی اس میں لگا دیتے ہیں۔ رات دن اس میں صرف کرتے ہیں۔ بہت سے معاون اور مددگار رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے سامان اور اسباب ان کے لئے مہیا ہوتے ہیں کہ صحیح اور درست رائے قائم کرسکیں۔ وہ بھی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ اسی جنگ میں دیکھو جو تھوڑے عرصہ سے بند ہوئی ہے کہ بڑے بڑے جرنیلوں نے غلطیاں کیں۔ پس جب ہر قسم کے سامان اور علوم جن سے رائے کی صحت کا یقین کیا جاسکتا ہے استعمال کرنے والے بھی غلطیاں کرتے رہے ہیں۔ اور اب تک کوئی نہیں۔ اور ایک نے تو لکھا ہے۔ کہ ایک بھی جرنیل ایسا نہیں جس نے کوئی غلطی نہ کی ہو۔ تو کوئی اور شخص جس کے ذمہ بیسیوں کام ہوں۔ اس سے غلطی ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور جب کوئی انسان حتیٰ کہ کوئی نبی بھی ایسا نہیں جسے رائے کی غلطی نہ لگ سکتی ہو۔ تو کیسی بے ہودگی ہے اگر کوئی یہ کہے کہ جو غلطی کرتا ہے اس کی بددیانتی اور شرارت ہے۔

غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگوں میں بڑوں میں برابر کے لوگوں میں چھوٹوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ غلطی کرتے ہیں۔ اور زیادہ دانا اور کم دانا کے صرف یہ معنی ہیں۔ کہ کسی کی ۹۹، کسی کی ۸۰، کسی کی ۷۰ فیصد رائیں درست ہوتی ہیں۔ مگر یہ نہیں کہ کسی کی ۱۰۰ کی ۱۰۰ رائیں درست نکلیں۔ جب یہ بات ہے۔ تو کسی کے کام کے متعلق یہ کہنا کہ یہ رائے کی غلطی نہیں بلکہ بددیانتی ہے۔ بڑی خطرناک جرأت ہے۔ اور قانون قدرت کا مقابلہ کرنا ہے۔ کیونکہ یہ قانون بتاتا ہے۔ کہ کوئی انسان ایسا نہیں۔ جو غلطی نہ کرسکتا ہو۔

ان چار باتوں کے بعد میں کہتا ہوں۔ تم اپنے آپ میں غور کرو اور دیکھو کہ جب کسی کے متعلق

رائے قائم کرتے ہو تو ان باتوں کو مدنظر رکھ لیا کرتے ہو؟ جب تم ان پر غور کرو گے۔ تو معلوم ہو گا کہ بہت سے جھگڑے اور بہت سے فتنے صرف اس لئے پیدا ہوتے ہیں۔ کہ اکثر حصہ اعمال میں دوسرے سے ایسی امید لگائی جاتی ہے جو خدا تعالیٰ سے لگانی چاہیئے اور اپنے متعلق ایسا فیصلہ کر لیتے ہیں جو خدا کے متعلق کرنا چاہیئے۔ یا اپنی رائے کو ایسی وقعت دے لیتے ہیں۔ جو نہیں دینی چاہیئے۔ یا پھر دوسرے کو ایسا مکمل سمجھ لیتے ہیں۔ کہ جو نہ صرف ایسا ہوتا ہی نہیں۔ بلکہ ہو بھی نہیں سکتا۔ اور پھر اس کی غلطی کو بددیانتی قرار دے لیتے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس طرح درجہ تو وہ دیا جاتا ہے جو نبیوں کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ مگر پھر فیصلہ وہ کیا جاتا ہے۔ جو ابوجہل سے بھی بدتر ٹھہرانے والا ہوتا ہے۔ ایک انجمن کے سیکرٹری یا پریذیڈنٹ کو درجہ تو وہ دیا جاتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بھی نہ تھا۔ کیونکہ آپ رائے میں غلطی کر سکتے تھے۔ مگر اس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ غلطی نہیں کرتا۔ لیکن پھر فیصلہ یہ کیا جاتا ہے کہ چونکہ اس کو غلطی لگ ہی نہیں سکتی اس لئے اگر یہ کوئی غلط رائے دیتا ہے تو چونکہ غلط بات اس کے دل میں آہی نہیں سکتی اس لئے بددیانتی کرتا ہے۔ گویا درجہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑا دیا جاتا ہے۔ اور فیصلہ ابوجہل سے بھی بدتر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی نیت پر بھی بلاوجہ شک کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ مگر اس کی نیت پر شک کر کے اسے ابوجہل' فرعون' شداد غرضیکہ بڑے سے بڑے برے انسان سے بھی بدتر قرار دے دیا جاتا ہے۔ جو شخص اس طرح کرتا ہے اس کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے۔ اور پھر خدا پر حملہ کرنے لگ جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود کے سامنے اس شخص نے کہا کہ خدا نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ پس جب انسان یہ نہ سمجھ سکے کہ ظلم کس حالت کو کہتے ہیں۔ اور بدنیتی اور شرارت کیا ہوتی ہے۔ اور جلدی سے فیصلہ کر بیٹھے تو خدا تعالیٰ کے افعال پر بھی اعتراض کرنے لگ جائے گا۔ اور اسے بھی ظالم قرار دے دے گا۔

اس کے بعد میں آپ لوگوں کو بتاتا ہوں کہ کام کرنے کی حکمتیں کیا ہیں۔ یعنی کن حکمتوں کے ماتحت کام کیا جاتا ہے پہلے تو میں نے یہ بتایا ہے کہ اگر کوئی اپنی رائے اور عقل کے ماتحت کام کرے۔ اس کے مدنظر کوئی قوانین نہ ہوں۔ تو بھی ایسا فیصلہ کرنا کہ اس نے بددیانتی اور شرارت کی ہے جائز نہیں۔ یہ بہت بڑا حملہ ہے۔ اور اس کے لئے کافی ثبوت کی ضرورت ہے۔ مثلاً گواہوں سے یا اور ذریعہ سے ثابت ہو جائے کہ فلاں نے رشوت لی ہے۔ تو یہ ایک دعویٰ ہو گا۔ مگر پھر بھی یہ نہیں کہ اسے عام لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے۔ بلکہ عدالت میں پیش کیا جائے۔ اسی لئے ہم نے عدالتیں مقرر کر دی ہیں۔ یا مثلاً ملزم خود اقرار کر لے کہ میں نے فلاں بے انصافی کی ہے۔ یا گواہ پیش کئے جا سکیں۔ یہ بھی ثبوت ہو گا اور اس کے متعلق حق ہو گا کہ خلیفہ کے سامنے یا اس کی مقررہ

کردہ عدالت کے سامنے اس معاملہ کو پیش کیا جائے۔ ورنہ محض گمان کی بنا پر کسی پر الزام لگانے کی صورت میں عجیب رنگ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس طرح تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اسے درجہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر دیا جاتا ہے۔ اور حملہ ابوجہل سے بھی بدتر سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں کیا تعجب ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حملہ کردو کیونکہ جب وہ شخص جسے رسول کریمؐ سے بڑھ کر درجہ دیا جاتا ہے۔ اس پر حملہ کیا جاتا ہے۔ تو رسول کریمؐ پر حملہ کرنا کونسا مشکل ہوگا۔

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ کام کے لئے وہ کون سے قوانین مقرر ہیں کہ جب ان کو مدنظر رکھا جائے تو اور بھی رائے کی کمزوری اور نقص معلوم ہو جاتا ہے اور پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ وہی صحیح طور پر رائے قائم کرسکتا ہے جس کے ہاتھ میں کام ہوتا ہے۔

یہ تین باتیں ہیں جن کے ماتحت کوئی تقسیم کی جاتی ہے اور یہ تینوں امور میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اور قرآن کریم سے ثابت کر سکتا ہوں۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے عمل اور عقل سے ثابت کرسکتا ہوں۔ کہ جب کوئی کام اختیار کرے تو ان کا مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی مدنظر نہیں رکھتا۔ تو دنیا کی نظر میں تو میں نہیں کہتا۔ خدا کی نظر میں وہ اچھا نہیں ہوگا۔ ہر دینی کام اور سلسلہ میں ان کا مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ دنیاوی کاموں کے متعلق میں کچھ نہیں کہتا۔ لیکن دینی کام جو ہر امیر ہر حاکم ہر خلیفہ اور ہر نبی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں ان باتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

ان میں سے ایک تو یہ ہے۔ جسے دنیاوی معاملات میں "لحاظ" یا "رعایت" کہتے ہیں۔ اسے دینی کاموں میں جائز نہیں رکھا گیا۔ بلکہ واجب قرار دیا گیا ہے۔ عام اصطلاح جو دنیا کی ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اسے رعایت اور لحاظ کہا ہے۔ لیکن شریعت نے اس کو جائز ہی نہیں بلکہ واجب رکھا ہے۔ یہ دنیا کے کاموں میں ناجائز نہیں بلکہ واجب ہے۔ پھر اگر شریعت کی اصطلاح مدنظر رکھ کر کہا جائے۔ تو کہیں گے کہ شریعت نے بعض ایسے حق رکھے ہیں۔ کہ دنیا کے معاملات میں دنیا داروں نے تسلیم نہیں کئے۔ یہ حق جو حکام' امرا' خلفاء بلکہ انبیاء پر ہیں۔ یہ ہیں۔

اول یہ کہ سابقون کا ایک حق رکھا گیا ہے۔ اور شریعت کی رو سے ان کا لحاظ رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے خدا کے نام کو بلند کیا ہوتا ہے۔ اور جو خدا کے نام کو بلند کرتا ہے۔ خدا کی غیرت برداشت نہیں کرتی کہ اس کا نام نیچا ہو۔ کیونکہ اس طرح خدا تعالیٰ پر اس کا یہ احسان رہ جاتا ہے کہ میں نے تیرا نام اس وقت بلند کیا جب دوسرے اس نیچا کر رہے تھے لیکن تو نے

جتنا کوئی اس کا نام بلند کرتا ہے خدا اس سے زیادہ اس کا نام بلند کر دیتا ہے۔ تاکہ خدا تعالیٰ کا احسان اپنے بندہ پر رہے۔ بندہ کا خدا پر نہ رہے۔ تو سابقون کا خدا تعالیٰ نے ایک حق رکھا ہے۔ وہ خواہ دوسروں کی نسبت کام کے لحاظ سے ادنیٰ بھی ہوں۔ تو بھی خدا نے ان کا حق مقرر کیا ہے۔ تاکہ خدا پر ان کا احسان نہ رہے۔ اس لحاظ اور حق کے متعلق دونوں قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ یعنی ایک یہ کہ جہاں برابر کا مقابلہ ہو وہاں سابقون کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور دوسرے جہاں برابری نہیں بلکہ سابق ادنیٰ اور دوسرے اعلیٰ ہوں۔ وہاں بھی سابق کو ہی ترجیح دی گئی ہے۔ اور یہ دونوں مثالیں ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جن کے اعمال کے اعلیٰ ہونے کو مسلمان تسلیم کرتے ہیں۔ اور دو مثالیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی ملتی ہیں۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی لڑائی ہو گئی۔ کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو خیال آیا میں ہی درگذر کر دیتا تو بات نہ بڑھتی۔ چلو اب میں معافی مانگ کر صفائی کر لیتا ہوں۔ اس پر انہوں نے حضرت عمرؓ سے معافی مانگی۔ حضرت عمرؓ اس وقت غصہ میں تھے انہوں نے معافی نہ دی۔ حضرت ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور آکر عرض کی کہ عمرؓ سے میرا جھگڑا ہو گیا ہے۔ اور میں اپنا قصور تسلیم کرتا ہوں۔ مگر عمرؓ مجھے معاف نہیں کرتے۔ حالانکہ واقعہ کو دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قصور نہ تھا۔ زیادتی حضرت عمرؓ کی تھی مگر انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی کہا کہ میرا قصور ہے جس کی میں معافی مانگتا ہوں مگر عمرؓ مجھے معاف نہیں کرتے۔ اب دیکھو حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں میری غلطی ہے۔ اس طرح گویا سابق (ابوبکرؓ) نیچے ہے اور دوسرا (عمرؓ) اوپر اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم الغیب نہیں کہ آپ باوجود حضرت ابوبکرؓ کے اقرار کے کہ غلطی ان کی ہے۔ حضرت عمرؓ کی غلطی سمجھتے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ آئے تو کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصہ سے ایسا تمتما رہا تھا کہ جیسا کبھی کم دیکھنے میں آیا ہے۔ اور آپ نے حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی فرمایا۔ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ مجھے اور ابوبکرؓ کو نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ ابوبکرؓ وہ ہے کہ جب تم خدا کی باتوں کا انکار کر رہے تھے تو یہ تصدیق کر رہا تھا[۲]۔

یہ سابق کے متعلق رسول کریمؐ کا فیصلہ ہے کہ اگر ان کی غلطی بھی تھی تو بھی حضرت عمر کا یہ کام تھا کہ معافی مانگتے۔ نہ کہ معافی مانگنے پر بھی معاف نہ کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسول کریمؐ نے حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں حضرت ابوبکرؓ کا حق تسلیم کیا ہے۔ اور ایسا ہونا ضروری بھی ہے۔ کیونکہ سابقون دین کے عمود ہوتے ہیں ان کا حق مٹنے سے دین کی ہتک ہوتی ہے۔ ان کا کام دوسروں تک خدا تعالیٰ کا کلام پہنچانا اور دین کو قائم رکھنا ہوتا ہے۔ اور دوسرے ان کے ذریعہ سے حق سے

کہ ان کے ساتھ رعایت کی جائے۔

تو تقسیم عمل، تقسیم مال اور تقسیم مدارج میں یہ بھی مد نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ کہ سابق کون ہے۔ اور جب تک دین کے کسی معاملہ میں فرق نہ آئے۔ یعنی یہ نہیں کہ سابق اگر دین کے متعلق کوئی غلط بات کہے تو مان لیں۔ قرآن و حدیث کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ اور شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔ تو ایسی حالت میں رسول کریمؐ نے سابقون کو مقدم رکھا اور انکا حق تسلیم کیا ہے۔ اور رسول کریمؐ سے بڑھ کر شریعت کا سمجھنے والا اور عمل کرنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

دوسری ایک اور مثال بتاتا ہوں۔ جس میں سابق کو مقدم رکھا گیا ہے۔ گو اس میں اخفا کا رنگ ہے۔ لیکن میرے نزدیک ظاہر ہے۔ ایک دفعہ رسول کریمؐ بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی آپ کے بائیں طرف بیٹھے تھے اور ایک لڑکا دائیں طرف بیٹھا تھا تو رسول کریمؐ کے پاس دودھ لایا گیا۔ آپ نے دودھ پیا اور پھر لڑکے سے مخاطب ہو کر فرمایا اگر تم کہو تو یہ دودھ ابوبکرؓ کو دے دوں۔ دائیں طرف ہونے کی وجہ سے اس کا حق تھا۔ اس لئے آپؐ نے اس سے پوچھا۔ ادھر لڑکے کو خیال تھا۔ کہ رسول کریمؐ کا تبرک ہے۔ میں کیوں چھوڑوں اس لئے اس نے کہا مجھے دیجئے۔ میں اپنا حق نہیں چھوڑتا۔ یہ بھی محبت کا ایک رنگ تھا۔ ادھر رسول کریمؐ کا خیال تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کو مل سکے۔

یہ تو رسول کریمؐ کے زمانہ کی مثالیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے وقت ابوعبیدہؓ کے ماتحت خالد بن ولیدؓ کو کیا گیا۔ خالد بن ولید فنون جنگ میں ایسے مشاق اور ماہر تھے کہ یورپ آج تک ان کی قابلیت کا اعتراف کر رہا ہے۔ اور بعض نے تو حد ہی کر دی ہے۔ کہتے ہیں عمرؓ کو ساری شہرت خالد ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔ تو خالد فنون جنگ کا ماہر ہونے کے لحاظ سے بے نظیر انسان تھا۔ آنا" فانا" اس نے اسلام کے جھنڈے کو دور دراز ممالک میں جا گاڑا۔ اور تھوڑے تھوڑے لشکر کے ساتھ دشمن کے بڑے بڑے لشکر کو اس طرح پراگندہ کر دیتا تھا کہ دنیا حیران رہ جاتی تھی۔ اور اب تک حیران ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو ہٹا کر ابوعبیدہؓ کے ماتحت کر دیا۔ اگرچہ حضرت عمرؓ نے اس کی وجہ نہیں بتائی اور یہاں تک کہا ہے۔ کہ ایک وجہ تو ایسی ہے۔ کہ اگر میرے کُرتے کو بھی معلوم ہو جائے۔ تو میں اسے جلا دوں۔ مگر ایک وجہ بتائی ہے۔ اور وہ یہی ہے۔ کہ ابوعبیدہؓ سابق تھے۔ ابوعبیدہؓ ایسے ماہر جنگ نہ تھے۔ جیسے خالد بن ولیدؓ تھے۔ اور خالد بن ولیدؓ سے ہی مشورہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے خالدؓ کو بلا کر مشورہ پوچھا۔ کہ بتایئے کس طرح کرنا چاہیئے۔ آگے دیکھئے ادب بھی کتنا کیا جاتا تھا۔ انہوں نے کہا آپ کو خداتعالیٰ کے رسول کے خلیفہ نے اس کام کے لئے مقرر کیا

مشورہ دو تب انہوں نے مشورہ دیا۔ تو ایک حد تک کام میں سابقون کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور ان کے درجہ کو مدنظر رکھنا لازمی ہے۔ گو وہ کام اور لیاقت کے لحاظ سے دوسروں سے کم ہی ہوں۔

اب دیکھئے رائے کی غلطی کس طرح لگ سکتی ہے۔ یوں تو ہر ایک اپنے آپ کو لائق سمجھتا ہے۔ اور اپنی چیز کو اچھا جانتا ہے۔ کہتے ہیں کسی بادشاہ نے دربار میں یہ تجربہ کرنے کے لئے کہ اپنی چیز کو کس طرح اچھا سمجھا جاتا ہے۔ ایک حبشی کو ٹوپی دی اور کہا "لڑکوں میں سے جو لڑکا تمہیں خوبصورت معلوم ہو اس کے سر پر رکھ آؤ"۔ وہ سیدھا گیا۔ اور امراء کے لڑکوں کو چھوڑ کر اپنے بدشکل لڑکے کے سر پر رکھ آیا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیا۔ تو اس نے کہا۔ مجھے یہی لڑکا سب سے خوبصورت نظر آتا ہے۔ اسی کے سر پر ٹوپی رکھ آیا ہوں۔ بیٹا تو پھر بھی ایک واسطہ سے اپنا ہوتا ہے۔ اپنی نسبت تو انسان یہی سمجھتا ہے۔ کہ میں ہی سب سے بڑا ہوں۔ اور ہر بات میں دوسروں سے زیادہ قابلیت رکھتا ہوں۔ لوگ جنگ کی خبریں پڑھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں جنرل جافرے اور جنرل فاش نے یہ غلطی کی۔ اگر میں ہوتا۔ تو اس طرح نہ کرتا۔ لیکن اگر ان کے سپرد کام کر دیا جائے تو پھر پتہ لگے کہ وہ کیا کر سکتے ہیں۔

مگر ہم کہتے ہیں لوگ اپنے آپ کو جو بھی درجہ دیتے ہیں اگر مان لیا جائے کہ ٹھیک ہے۔ تو پھر ضروری ہے کہ سابقون کی ان کے مقابلہ میں خاص رعایت کی جائے۔ اور میں نے اس بات کا خاص لحاظ رکھا ہے۔ صدر انجمن کے ممبروں میں اس وقت تک کسی اور کو داخل نہیں ہونے دیا۔ حالانکہ علمی لحاظ سے بھی اور دوسرے حالات کی وجہ سے بھی کئی اور لوگ موجود ہیں۔ مثلاً مولوی عبدالماجد صاحب پروفیسر ہیں۔ خاں غلام اکبر خان صاحب جج ہیں۔ سیٹھ عبداللہ صاحب ہیں۔ منشی فرزند علی صاحب ہیں۔ ملک صاحب خان صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ ہیں۔ حسام الدین صاحب کلکٹر ہیں۔ خان صاحب محمد حسین صاحب پنشنر جج ہیں۔ یہ دنیاوی لحاظ سے بڑے بڑے عہدوں پر ہیں۔ علمیت اور قابلیت بھی اچھی رکھتے ہیں۔ مگر چونکہ حضرت مسیح موعود کی صحبت میں نہیں رہے۔ میں ان کے مقابلہ میں ان کو جو دنیاوی لحاظ سے چھوٹے ہیں مگر مسیح موعود کی صحبت میں رہے ہیں مقرر کرتا ہوں۔ اور ان کو مقرر نہیں کرتا اب اگر وہ سمجھیں کہ ہم لائق ہیں ہمیں مقرر کرنا چاہیئے۔ اور دوسرے لوگ بھی خیال کریں کہ ان کی بجائے کم قابلیت کے لوگوں کو داخل کرنا بے وقوفی ہے۔ تو ان کی مرضی۔ مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ سابق ہیں۔ اور ان کا حق ہے۔ کہ دوسروں پر انہیں مقدم کیا جائے۔ اور جب تک یہ جماعت ہے اور کام کو معمولی حیثیت سے بھی کر سکتی ہے۔ اس کا حق ہے۔ کہ اس کے سپرد کیا جائے۔ اور اس کے مقابلہ میں دوسروں کا حق نہیں ہے۔

فلاں کام کر سکتا ہے یا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے خالد کی جگہ ابو عبیدہؓ کو تو مقرر کیا۔ مگر ابو ہریرہؓ کو مقرر نہ کیا کہ وہ یہ کام نہ جانتا تھا۔ تو یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو ایک کام کرنے کی کم لیاقت رکھتا ہے اس کے سپرد اس کے مقابلہ میں کام کر دیا جائے جو سابق نہیں۔ لیکن زیادہ لیاقت رکھتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ مثلاً جو انگریزی نہ جانتا ہو۔ اسے ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر بنا دوں۔ کم لیاقت کو مد نظر رکھ کر تھوڑی خرابی بھی گوارا کی جا سکتی ہے۔ اور سابقون کا جو حق اسلام نے مقرر کیا ہے۔ اور جو صحابہ کے وقت ملتا رہا ہے۔ وہ دینا ضروری ہے۔

دوسری بات اس کے الٹ ہے۔ اور وہ مولفتہ القلوب کی رعایت ہے۔ چونکہ یہ بات خدا نے مقرر کی ہے اس لئے رعایت نہ ہوئی۔ بلکہ ان لوگوں کا حق ہوا ایک زیادہ کام کرنے والا ہے اور ایک مولفتہ القلوب کی مدکا۔ خدا نے بھی یہی رکھا ہے اور شریعت بھی یہی کہے گی کہ زیادہ کام کرنے والے کو نہ دو مگر مولفتہ القلوب کو دے دو۔

رسول کریمؐ ایک دفعہ مال تقسیم کر رہے تھے۔ کہ کسی کو جوش آیا کہ آپ نے فلاں کو نہیں دیا۔ عرض کی کہ فلاں کو کچھ نہیں ملا۔ رسول کریم نے کوئی توجہ نہ کی۔ پھر اس نے کہا۔ پھر آپ نے توجہ نہ کی۔ پھر کبھی رسول کریمؐ مال تقسیم کرتے وقت ایسے شخص کو دے دیتے۔ جو کمزور ایمان والا ہوتا۔ فتح مکہ کے بعد جو مال آئے وہ آپ نے مکہ والوں کو دے دئے۔ حالانکہ جنگ کر کے خون بہانے والے جو تھے ان کو نہ دئے۔ اس موقع پر ایک کمزور نے کہہ بھی دیا۔ کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے۔ اور مال اوروں کو دے دیا گیا ہے۔ اس پر رسول کریمؐ نے ان لوگوں کو بلوایا۔ اور کہا انصار تم کہہ سکتے ہو۔ کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اکیلا تھا۔ اسکی قوم نے اس کو رد کر دیا تھا۔ اس وقت ہم اس کو لائے اور جب کوئی اس کی مدد نہ کرتا تھا ہم نے اس کی مدد کی۔ ہم نے اس کے لئے خون بہائے لیکن جب لوٹ کا مال آیا تو اس نے اپنے ہم قوموں کے دے دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ اس بات کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ اور اگر چاہو تو تم یہ بھی کہہ سکتے ہو۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس آیا۔ ہمارے گھر آیا۔ اور جب اس کا وطن فتح ہوا۔ تو اس کی قوم والے تو اونٹ بکریاں لے گئے۔ اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساتھ لے آئے۔ اب جو چاہو کہو۔

میرے خیال میں اس سے زیادہ زجر کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ کافر اور فاسق نام رکھ دینے سے بھی زیادہ سخت تھی کہ تم اونٹ لے جانا چاہتے ہو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ والا تھا۔ مکہ اس کا وطن تھا۔ مگر وہ مکہ نہیں گیا۔ مدینہ گیا۔ اس پر انصار رو پڑے۔ اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ کسی نادان نوجوان نے یہ بات کہی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جو بات کہی گئی۔

ہی ہوا۔ پھر دنیاوی ترقی ان کو نہیں ملی۔ ہم مغل اور پٹھان جو بہت پیچھے آئے۔ ہمیں خدا نے دنیا کی حکومت دے دی۔ مگر وہ انصار جنہوں نے رسول کریمؐ کے لئے اور آپ کے ساتھ اپنے خون بہائے ان کو ایک ریاست بھی نہ دی۔ صرف ایک فقرہ کی وجہ سے۔

تو کبھی مولفتہ القلوب کو مال دینا پڑتا ہے۔ کام میں ان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اور کبھی سابق ہونے کی وجہ سے تقسیم مال۔ تقسیم درجہ اور تقسیم اموال کی جاتی ہے۔ چنانچہ سب سے زیادہ رسول کریمؐ کی بیویوں کو مال دیا جاتا تھا۔ پھر بعد میں ایمان لانے والوں کو پھر ان سے بعد ایمان لانے والوں کو۔ پھر سبقت کا لحاظ مدارج میں بھی رکھا گیا ہے۔ اور عمل میں بھی۔

دوسری بات مولفتہ القلوب ہے۔ جو گویا سابق کی ضد ہے۔ کہ تعلق کی کمی کی وجہ سے سلوک کیا جاتا ہے۔ ایسے موقعہ پر بھی بعض لوگوں کو خیال آتا ہے۔ کہ ہمیں نہیں دیا گیا۔ اور فلاں کو دے دیا گیا۔ حالانکہ اسے تو ایمان میں کامل نہ ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ اور اس لئے رعایت کی گئی ہے۔ کہ ٹکا رہے۔ مگر تم مضبوط ایمان والے ہو۔ اس لئے تمہیں نہیں دیا گیا۔ کیا تم بھی ویسا ہی بننا چاہتے ہو۔

تیسرا امر جس کو پہلے بھی بیان کر آیا ہوں۔ قیاس اور رائے ہے۔ ایک اچھی سے اچھی چیز کے متعلق سو کی سو رائے ہو سکتی ہے کیونکہ ایک ہی چیز کے متعلق ہر ایک الگ الگ رائے قائم کرے گا۔ اور یہ ممکن نہیں کہ سب کی رائے کسی معاملہ کے متعلق ایک ہو۔ مجسٹریٹ ایک فیصلہ کرتا ہے۔ جو صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ اور غلط بھی۔ اس کی آگے اپیل کی جاتی ہے۔ اپیل پر جو فیصلہ ہو وہ بھی غلط ہو سکتا ہے اور صحیح بھی پھر اس کی اور آگے اپیل ہو سکتی ہے۔ اس پر بھی جو فیصلہ ہوگا۔ وہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اور صحیح بھی۔ لیکن آخر کسی جگہ جا کر یہ سلسلہ ختم بھی ہوگا۔ یا اپیل در اپیل ہی ہوتی رہے گی۔ باوجود اس کے کہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آخری فیصلہ بھی غلط ہو۔ لیکن کام چلانے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ختم کیا جائے۔ ورنہ سارا ملک ہی ہائی کورٹیں بنانا پڑے۔ تو عقلاً بھی یہ ضروری ہے۔ کہ ایک جگہ آخری فیصلہ ہو جائے اور پھر اس سے آگے سلسلہ نہ چلے۔ ورنہ ہر ایک انسانی عدالت کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے اس کا فیصلہ غلط ہو۔ اور اس طرح کا سلسلہ آخر خدا تعالیٰ تک جا کر ختم ہو۔ کہ خدا تعالیٰ فیصلہ کرے۔ لیکن اعتراض کرنے والے اس پر بھی اعتراض کر ہی دیتے ہیں۔ پس جو شخص بھی فیصلہ کرے گا اس کی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بھی۔ لیکن آخر ماننا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کو مردوں کے ماتحت رکھا جاتا ہے۔ لیکن کیا سارے کے سارے مرد صحیح اور درست ہی فیصلہ کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں لیکن

پس یہ باتیں نہایت ضروری ہیں جو آپ لوگوں کے مدنظر رہنی چاہئیں۔ اول سابقون کا حق دوسرے مولفۃ القلوب کی رعایت تیسرے دیانت داری سے رائے قائم کرنا اور جو فیصلہ کیا جائے اسے تسلیم کرنا۔

رائے لگانے میں کس طرح جلد بازی سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کا پتہ اس سے لگتا ہے کہ جب ماسٹر محمد دین صاحب ہیڈ ماسٹر تھے تو مدرسوں میں سے ہی کئی میرے پاس آتے اور کہتے یہ خرابی ہے۔ یہ نقص ہے۔ میں نے ان کے کہنے پر نہیں بلکہ اور وجوہات سے ماسٹر محمد دین صاحب کی بجائے قاضی عبداللہ صاحب کو ہیڈ ماسٹر مقرر کر دیا۔ اور انہیں مینیجر بنا دیا۔ اس پر کہا گیا کہ ماسٹر محمد دین صاحب لائق تھے۔ اچھا کام کرتے تھے۔ اب یہ نقص پیدا ہو گیا ہے۔ یہ خرابی ہو گئی ہے۔ اور بعض نے کہا مولوی شیر علی صاحب مقرر ہوں۔ تو بہت اچھی بات ہوگی۔ ہم نے اس شخص کی طرح جو ہر دل عزیز بننا چاہتا تھا۔ مولوی شیر علی صاحب کو مقرر کر دیا۔ اب خطوط آتے ہیں کہ تجربہ کاروں کو ہٹا کر دوسروں کے سپرد کام کر دیا گیا ہے۔ کس طرح چلے گا۔

اسی طرح ایک جلسہ کیا گیا۔ جس میں ناظروں کو جمع کر کے کہا گیا کہ اپنے اپنے صیغوں میں تخفیف کریں۔ مگر عین اس وقت جبکہ ہر محکمہ والا کہہ رہا تھا کہ میرے صیغہ میں یہ تخفیف کر دی جائے۔ میرے صیغہ کا یہ خرچہ بند کر دیا جائے اور ۲۰ اور ۱۵ فیصدی تنخواہ کم کرنے کی تجویز ہو رہی تھی۔ ایک بڑے ثقہ جو بڑے لوگوں میں سے ہیں۔ انہوں نے مجھے لکھا کہ یہ لوگ غلط طور پر اپنے کاموں کی تعریفیں آپ کے سامنے کر کے کہتے ہیں۔ تخفیف نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کے متعلق دوسرے لوگوں سے پوچھا جائے۔ یہ ان کا محض قیاس تھا۔ اور اصل واقع کے بالکل الٹ۔ اور اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ ایک شخص تو جان قربان کر رہا ہو۔ مگر دوسرا کہے کہ وہ مجھے زہر دینا چاہتا ہے۔

رائے قائم کرنے کا صحیح اور درست طریق یہ ہے۔ کہ جس کے متعلق رائے ہو۔ اسے قائل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ قائل ہو جائے۔ تو اچھی بات ہوگی۔ اور اگر قائل نہ ہو تو سمجھ لیا جائے کہ اس بارے میں میرا بھی قیاس ہے اور اس کا بھی۔ ہو سکتا ہے کہ میرا قیاس غلط ہو اور اس کا صحیح کیونکہ وہ کام کرنے والا ہے اور کام کی حقیقت کو مجھ سے زیادہ سمجھنے والا ہے۔ یا پھر سمجھ لیا جائے کہ سابقون کی وجہ سے نیا مولفۃ القلوب کی وجہ سے رعایت کی جاتی ہے۔

جو ان باتوں کو نظر انداز کر کے اعتراض کرتے ہیں۔ ان کو ہم کہتے ہیں۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ

پانچ سات دس آدمی مجھے لکھ دیں گے کہ ان پر کوئی اعتراض نہ کیا جاوے گا۔ میں انہیں انجمن کے ممبر بنا دوں گا۔ مدرسہ احمدیہ کا منیجر یا اور صیغوں کا آج ہی انچارج کر دوں گا۔ موجودہ کام کرنے والوں کے جس قدر بھی عہدے ہیں۔ سب ان کو دے دوں گا۔ اور پہلے کارکنوں کو خدا مجھے جو کچھ دے گا اپنے پاس سے دوں گا۔ اگر کوئی اس بات کے لئے اپنے آپ کو خود نہ پیش کرتا ہو اور کسر نفسی کرے۔ تو دوسرے پیش کر دیں۔ کہ فلاں فلاں ایسا ہے۔ جس پر کوئی اعتراض نہ کرے گا۔ میں انہیں کو مقرر کر دوں گا۔ مجھے تو کام سے غرض ہے۔ لیکن یہ خوب اچھی طرح یاد رکھو۔ کہ جو لوگ کام اچھی طرح کرنے کا زیادہ دعویٰ کرتے ہی۔ ان پر زیادہ اعتراض ہوتے ہیں۔ بات یہی ہے کہ رائے اور قیاس میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ اور ممکن ہے۔ کہ کسی کام کے متعلق کسی کی جو رائے ہو۔ وہ غلط ہو۔ مگر کام چلانے کے لئے اس کا ماننا ضروری ہوتا ہے۔

پس ان باتوں کو مدنظر رکھو جو میں نے رائے قائم کرنے کے متعلق بتائی ہیں۔ اور جو کام کرنے والوں کے متعلق بتائی ہیں۔ کہ ہو سکتا ہے کام کرنے کی لیاقت کی وجہ سے ایک زیادہ کا مستحق ہے۔ لیکن مولفتہ القلوب کی وجہ سے دوسرے کو زیادہ دیا جاتا ہے۔ یا اس کی عادت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کے وقت کہا گیا کہ یہاں جو لوگ آتے ہیں۔ ان سب کو ایک جیسا کھانا دینا چاہیئے۔ فقراء کے دربار میں یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ امیر کو اچھا اور غریب کو معمولی کھانا دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا میں کیا کروں۔ خدا نے ہی یہ فرق رکھا ہے کہ کسی کو امیر بنایا ہے اور کسی کو غریب۔ تو جن کی عادت ہو۔ اس کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ پس سبقت کی وجہ سے یا عادت کی وجہ سے یا لیاقت کی وجہ سے جو اگرچہ کم ہوتی ہے۔ لیکن اور میں اتنی بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے اسے رکھنا پڑتا۔ اور سلوک کرنا پڑتا ہے۔ ان باتوں کو زیر نظر رکھ کر رائے قائم کرنی چاہیئے محض لیاقت کوئی چیز نہیں سبقت اور تالیف قلب بھی ضروری ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ ایک کی رائے میں ایک لائق ہوتا ہے۔ اور دوسرے کی رائے میں وہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس لئے کس کی رائے کی پابندی کی جاوے۔ بات یہی ہے کہ لوگوں کی رائے کی پابندی نہ ہو سکتی ہے اور نہ کی جا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایسے معاملات کے متعلق جو قوانین بتائے ہیں اور جن کا میں ذکر کر آیا ہوں۔ انہی کی پابندی کی جائے گی۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے قیامت تک تفرقہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو لوگ خدا کے مقرر کردہ قوانین کی پابندی کرتے ہیں۔ وہ مضبوطی کی طرف جاتے ہیں۔ کمزوری کی طرف نہیں جاتے۔ اگر ان باتوں کو تم مدنظر رکھو گے۔ تو جو بھی دشمن تم سے ٹکرائے گا۔ پاش پاش

ان دونوں باتوں میں سے جو چاہو قبول کرو۔ چاہے خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کر کے مضبوط چٹان بن جاؤ۔ چاہے معمولی معمولی باتوں میں پڑ کر اور غلط اور بے ہودہ رائے زنیاں کر کے ملیا میٹ ہو جاؤ۔ یہ دونوں راستے تمہارے سامنے ہیں۔ چاہے تم خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھاؤ۔ چاہے نفس پرستی کے پیچھے پڑ کر وہ موتی جو خدا تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے ہتھوڑا مار کر توڑ ڈالو۔

(الفضل ۱۹؍ دسمبر ۱۹۲۱ء)

۱۔ بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ یعرج الملائکۃ والروح الیہ

۲۔ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ باب مناقب المہاجرین

۳۔ بخاری کتاب الاشربہ باب ھل یستاذن الرجل من عن یمینہ فی الشرب للمعطی الاکبر

۴۔ بخاری کتاب المناقب باب مناقب الانصار